غالب...... مارکس کا پیش رو

☆حسن عبداللہ

غالب اور مارکس دونوں بالکل ہی مختلف مکان اور میدانوں کی شخصیتیں تھیں، لیکن ان کا عہد زیادہ مختلف نہیں ہے۔ غالب کی پیدائش ۱۷۹۷ء میں ہوئی اور انتقال ۱۸۶۹ء میں ہوا؛ جب کہ مارکس کا یوم پیدائش ۵/مئی ۱۸۱۸ء اور یوم وفات ۱۴/مارچ ۱۸۸۳ء تھا۔

غالب ہندستان میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے مغل سلطنت کا خاتمہ اور انگریزوں کی حکمرانی دیکھی۔ وہ جاگیردارانہ سماج میں پلے بڑھے۔ انھوں نے شاعری کو اپنا پیشہ بنایا۔ ادب وثقافت روزمرہ کی سماجی زندگی سے سب سے دور کا رشتہ رکھتے ہیں۔ اور شاعری کے اندر وہ بھی صنف غزل میں اشاروں کنایوں میں، نیز پرت در پرت بات کہنے کے رواج کی وجہ سے، شاعری ''قطرے میں دریا'' کے درجے کو پہنچ جاتی ہے۔ پھر جب غالب جیسا استاد زبان و بیان اور ندرت رکھنے والا شاعر، زمانے کی رسوم و قیود سے آزاد ہوکر اپنے مشاہدات وتجربات کو بیان کرتا ہے، تب ایک ''رواج سے مستثنیٰ (Exception to the rule)'' شاعری جنم لیتی ہے۔

کارل مارکس انیسویں صدی کے ہندستان کے مقابلے کہیں زیادہ جدید سماج، جرمنی میں پیدا ہوئے؛ اوراس وقت کے سب سے زیادہ صنعت یافتہ ملک انگلستان میں جابسے۔ آپ نے علم کے نچوڑ .... یعنی فلسفے .... کو بطور میدان چنا۔ کپڑا صنعت کے ابتدائی دور کا آپ نے قریب سے مشاہدہ کیا؛ اور ارتقائے زمانہ کے مسلمات دریافت کرنے میں اپنی زندگی صرف کردی۔ اس عظیم انسان دوست فلسفی کا

ایک مشہور مقولہ ہے:

''فلسفیوں نے عرصۂ دراز سے دنیا کی تشریح کی ہے؛ سوال بہرحال اس کو بدلنے کا ہے۔''

غالب ایک شاعر تھے .... اور ساتھ ہی حکومت وقت کی نظر کرم کے خواہاں۔ اس لیے وہ دنیا کو بدلنے کے شعوری محرک یا ایجنٹ کیوں کر ہوتے؟ لیکن اپنے مطالعے اور مشاہدے کی بدولت حرکت زمانہ ان پر عیاں تھی۔

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا؟

آلام روزگار نے بھی ان کو بہت کچھ سکھایا اور وہ جدلیاتی مادیت (dialectical materialism) کی اساس تک پہنچ گئے۔

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برق خرمن کا، ہے خون گرم دہقاں کا

ادب، سائنس/فلسفے/علم کا نقیب/پیش رو ہوتا ہے۔ مشاہدات اور قوت فکر کی بدولت غالب نے اور بھی بہت سے ایسے اشعار تخلیق کیے جو کہ مارکس کے دریافت کردہ قوانین فطرت سے ہم آہنگ نظر آتے ہیں، مثلاً۔

ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزہ کیا

مارکس نے ہم کو بتایا کہ ''تضاد'' حرکت کی کنجی ہے۔ اور غالب کی شاعری میں ہم کو جابجا متضاد الفاظ کا استعمال دکھائی دیتا ہے۔ غالب کی زندگی کے تضادات دیکھیے: امیر خاندان سے تعلق، لیکن والد کا کم عمری میں انتقال۔ پھر چچا

کی نگہداشت میں آئے، نگران کا بھی جلد انتقال ہوگیا۔ شاعری کو بطور پیشہ اپنایا، مگر عرصے تک درباری شاعر نہ بن سکے۔ والد اور چچا دونوں سپہ سالار تھے؛ اور نوکری کرنے میں بادشاہ کے مذہب کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ لیکن اس زمان ومکان میں مذہب اپنے تشخص کی بنیادی پہچان سمجھا جاتا تھا۔

غالب کی شادی اس زمانے کے رسم ورواج کے مطابق کم عمری میں کر دی گئی: اور وہ تاحیات اپنی بیگم سے ناخوش رہے۔ ان کی بیگم بھی رئیس خاندان سے تھیں۔ ان کے کئی بچے ہوئے، لیکن کوئی بھی دو سال سے زائد نہ جی سکا۔ کارل مارکس نے اپنی پسند سے شادی کی۔ وہ یہودی خاندان میں پیدا ہوئے تھے؛ لیکن ان کا خاندان تبدیلی مذہب کر کے عیسائی ہوگیا تھا۔ ان کی زندگی بڑی غربت میں گذری۔ ان کے بھی کئی بچے ہوئے؛ اور کچھ کا انتقال غربت کی وجہ سے ہوا۔ لیکن مارکس کی بیوی مرتے دم تک اپنے شوہر اور بچوں کے لیے جانفشانی سے کام کرتی رہیں۔ غالب رئیسانہ ٹھاٹ باٹ سے رہے، اور کہہ گئے کہ ۔

قرض کی پیتے تھے مے، اور سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

زندگی بھر مقروض رہے اور مرے بھی مقروض۔ غالب نے کوئی بھی ''تجربہ''....... جو کہ اخلاقی عیب کے زمرے میں آتا ہو..... نہ چھوڑا۔ ڈومنی سے عشق ہو یا جوا کھیلنا اور کھلانا۔ (جیل کی بھی ہوا کھائی) ایک خط میں وہ ''لونڈے'' کے ساتھ ہم جنسی کی بابت لکھتے ہیں کہ اس کے لیے بیوی کو نہیں چھوڑ دینا چاہیے۔

لیکن اس کے برخلاف مارکس جو کہ خاندان کے ادارے (institution) کو نجی جائیداد (private property) اور ریاست (state) کے تناظر میں دیکھتا تھا، اس نے انتہائی غربت میں وفاداری اور خوشی کے ساتھ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ زندگی گزاری۔ کام کی زیادتی کی وجہ سے مارکس نے اپنی صحت بھی خراب کر لی۔ جب کہ غالب نے خوب عیش وعشرت اور فرصت کی زندگی گزاری..... گو ہمیشہ مقروض رہے۔

مارکس اور غالب دونوں استثنائی ذہین (exceptional geniuses) تھے۔ دونوں نے اپنی اپنی فطرت کے مطابق ..... غم روزگار سے قطع نظر ..... پیشے چنے۔ دونوں نے مشاہدے اور تجربے کو اپنا راہبر بنایا۔ غالب نے کہا کہ ۔

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

مارکس، ہیگل سے متاثر ہوئے؛ لیکن جلد ہی وہ جدلیات (dialectical) سے جدلیاتی مادیت (dialectical materialism) تک پہنچ گئے.....اور خود اپنے راہبر بنے۔ غالب بھی شروع عمر میں ضرور بیدل سے متاثر رہے اور کہا کہ ۔

طرز بیدل میں ریختہ کہنا
اسد اللہ خاں قیامت ہے

لیکن جلد ہی اپنی راہ آپ بنالی۔

مارکس اور غالب دونوں ہی بیس سال کی عمر کے آس پاس اس راہ کو پا چکے تھے، جس پر وہ تا عمر آگے بڑھتے رہے۔ یہ دیکھ کر واقعی بہت تعجب ہوتا ہے کہ اتنی کم عمر میں کس طور وہ اتنے پختہ خیالات کے حامل تھے۔ لیکن اگر اتنی پختگی نہ ہوتی تب کیوں کر وہ فلسفہ اور شاعری کے پُر خار راستوں کو چنتے؟ کیوں کر وہ فکر معاش سے بے پروا اپنے اپنے میدان میں موتی تراشتے؟ بقول غالب۔

آلام روزگار کو آساں بنا دیا
جو غم ہوا اسے غم جاناں بنا دیا

یا غالب نے کہا کہ ۔

کم جانتے تھے ہم بھی غم عشق کو، پر اب
دیکھا تو کم ہو کے بے غم روزگار تھا

مارکس اور غالب دونوں اپنے زمانے سے بہت آگے تھے اور دونوں نے اپنے اپنے میدانوں میں بہت بنیادی و اہم کام انجام دیا۔ اسی لیے آج ڈیڑھ دوسو برس بعد ان دونوں کی اہمیت کہیں زیادہ محسوس ہوتی ہے۔

مارکس نظام زر کو بدلنے میں دلچسپی رکھتا تھا، تا کہ انسان کے ذریعے انسان کا استحصال ختم ہو۔ لیکن اسی نظام زر کے ایک چیدہ ذرائع ابلاغ بی بی سی کے ذریعے دنیا بھر کے دانشوروں کی رائے میں کارل مارکس پچھلے ہزار سالہ کا عظیم ترین دانشور ٹھہرا۔ اسے کہتے ہیں: ''جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے''۔

ہم سمجھتے ہیں کہ بقول غالب ۔

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

نیز یہ بھی ہے ۔

قطرے میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل..... کھیل لڑکوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا۔

مگر ہوا یہ کہ:

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

ناچیز کی رائے میں اگر مارکس پچھلے ہزار سالہ کا عظیم ترین دانشور تھا، تب غالب اس کا پیش رو، اس کا نقیب، پچھلے ہزار سالہ کا عظیم ترین شاعر تھا۔ اگر غالب کو آج تک یہ مقام حاصل نہیں ہوا ہے تب اس کی وجہ یہ ہے کہ غالب نے شاعری اردو (اور فارسی) میں کی۔ اور کیوں کہ نہ اردو دنیا کی غلبے والی (dominent) زبانوں میں شامل ہے، اور نہ ہی شاعری کو، انصاف کے ساتھ، دوسری زبانوں میں ڈھالا جاسکتا ہے۔ وہ لفظوں کی تکرار، وہ کثیر معنی، کثیر پرت، الفاظ و خیالات، وہ شیرینی بیان جو غالب کی شاعری میں ہے، اسے دوسری زبان میں کیوں کر بیان کیا جاسکتا ہے۔ لیکن جو کہ دوسری زبانوں میں کیا جاسکتا ہے .... اور جلد از جلد کیا جانا چاہیے.... یعنی غالب کی

فلر کو دیگر زبانوں کے ذریعہ ہر خاص وعام تک پہنچانا: ہم اردو والے تو آج تک یہ کام بھی منصفانہ طور پر نہیں کر سکے ہیں، گو غالب کے نام پر نہ جانے کتنے ادارے قائم ہیں، اور نہ جانے کتنا پیسہ خرچ کیا جاتا ہے۔

مارکس ہوں یا غالب ..... کیوں کہ دونوں نے نئی راہیں تلاش کیں، اس لیے ..... دونوں کو ان کے پیش رو فلسفوں رشاعری کے پس منظر میں، مگر خود کی بساطوں پر سمجھنے اور سمجھانے کی ضرورت ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ ۔

ثبات اک تغیر کو ہے زمانے میں

اس لیے ضروری ہے کہ جب تک ہم آج ....اکیسویں صدی کی سمٹی ہوئی دنیا میں ...مارکس اور غالب کو پڑھیں، تب اپنے تمام تر علم وفہم کو بروئے کار لاتے ہوئے ان کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

غالب تو خود ہی کہہ گئے تھے کہ:

ہوئی مدت کہ غالب مرگیا، پر یاد آتا ہے
وہ ہر ایک بات پر کہنا کہ "یوں ہوتا تو کیا ہوتا؟"

امکانات کو تلاش کرنا غالب کا شیوہ تھا:

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب
ہم نے دشت تمنا کو اک نقش پاپایا

انتہائی آزاد روی ان کی فطرت تھی۔

یہ نعش بے کفن اس خستہ جاں کی ہے
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

"سبب اثر" (cause-effect) اور شوخی فطرت سے غالب کا کلام پُر ہے:

نہ لٹتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا
رہا کھٹکا نہ چوری کا، دعا دیتا ہوں رہزن کو

انسان بغیر روٹی کے زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور کارل مارکس نے سیاسی معیشت (political economy) اور ارتقائے زمانہ کو سمجھا اور سمجھایا۔ اس لیے اس معنی میں کارل مارکس کو غالب پر فوقیت حاصل ہے۔ مگر انسان صرف روٹی کے سہارے بھی زندہ نہیں رہتا۔ اس کو "روحانی" غذا بھی درکار ہوتی ہے۔ اور یہ روحانی غذا ہم کو غالب فراہم کراتے ہیں۔

مارکس کا فلسفہ، غالب کی شاعری کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ غالب کی شاعری ایک وسعت نظر عطا کرتی ہے؛ بقول غالب:

بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی
وہ اک نگاہ جو بظاہر نگاہ سے کم ہے

یہ جو "بظاہر نگاہ سے کم" نگاہ (insight) ہے، وہ نہ صرف روحانی آسودگی فراہم کرتی ہے بلکہ مارکس کے فلسفے کی سمجھ کو بھی بہتر بناتی ہے۔

ہم لوگ جو اردو جانتے ہیں، وہ خوش قسمت ہیں کہ غالب کو براہ راست پڑھ سکتے ہیں۔ اگر ہم غالب کے کلام سے اپنی روحانی تشنگی نہیں مٹا سکتے، تب میں صرف بہ زبان غالب اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ :

یارب نہ وہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
دے اور دل ان کو، جو نہ دے مجھ کو زباں اور

مارکس اور غالب بالترتیب جسمانی اور روحانی غذا حاصل کرنے کا راستہ دکھانے والے تھے ۔ کیوں کہ بالآخر دونوں کا مرکز ایک تھا...یعنی حضرت انسان ....اس لیے دونوں میں بہت کچھ مشترک تھا؛ اور دونوں ہماری شخصیت کو، ہماری سمجھ کو بہتر بناتے ہیں۔!

اگر مارکس کو پچھلے ہزار سالہ کا عظیم ترین دانشور چنا گیا، تب غالب کے کلام کی بابت عبدالرحمٰن بجنوری نے کہا تھا:

"ہندستان کی الہامی کتابیں دو ہیں۔ ایک مقدس وید؛ دوسرا دیوان غالب" ہم تو صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ چچا مارکس اور چچا غالب کو سلام۔

☆☆☆

پاکستان میں اردو ماہ نامہ حیات

پاکستان کے ادباء، شعراء اور "حیات" کے فکری متعلقین کے اصرار پر ہم نے کراچی میں اردو ماہ نامہ کا ایک دفتر قایم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ دفتر ماہ نامہ کی ترسیل اور ادارتی مرکز کی حیثیت سے کام کرد ہوگا۔ دونوں ہی باتوں کے لیے ہمارے عزیز دوست مسلم شمیم نے ذمے داری قبول کی ہے۔ آپ اپنی تخلیقات اور ماہ نامہ کے حصول کے لیے درج ذیل پتہ پر رابطہ قایم کر سکتے ہیں۔

مسلم شمیم ایڈوکیٹ

505۔ بلاک بی۔ رفیق پلازہ
روبرو ماما پارسی اسکول، نزد سعید منزل
ایم۔اے۔ جناح روڈ، کراچی (پاکستان)

صحت مند سیاسی وسماجی قدروں کا ترجمان

پندرہ روزہ
سائبان
دہلی

ایڈیٹر:۔ عتیق مظفر پوری

زرتعاون

سالانہ.......................120/روپے
مستقل ممبر.......................2/ہزار روپے
فی شمارہ.......................5/روپے

خط وکتابت کا پتہ

'Saeban' 1475, Street No.48,
(Near Gumbad Waali Masjid)
Jafrabad, Delhi-110053
Phone: 011-22865771
Mobiles: 9868749213, 9868664830
E-mail: saeban_urdu@yahoo.com

Galib & Sehgal

Phir tera waqt-e-safar yaad ayaa!

Fri. 20/1/07

NIRUPAMA DUTT

HUM this immortal ghazal that spoke of dida-e-tar (moist eyes) and waqt-e-safar (parting time) and one is in touch with two great talents: the poet who wrote the ghazal and the singer who sang it soulfully.

The poet was Mirza Ghalib, the greatest of Urdu poets who took the art of ghazal writing to enormous heights. The pioneering singer who immortalised Ghalib's couplets and took them to the masses was Kundan Lal Saigal.

Ghalib and Saigal thus form an inseparable twain. So it is in order that the homegrown Saigal bhagat, our S.K. Sharmaji of the Environmental Society fame, organises in town today a musical concert called Ghalib se Saigal tak to commemorate the 60th death anniversary of Saigal and the 210th birth anniversary of Ghalib.

Times change, trends change in the safar-e-waqt (travel of time) but anything that comes from the heart and soul lives on and the concert is a celebration of the genre of ghazal, both

in the written and sung forms. Two audio discs of Saigal's renderings of Ghalib's ghazals will be released on the occasion. To Saigal goes the credit for taking ghazal from its recitation form in tarannum to the radio, although before him courtesan culture had perfected the art of its rendition.

The singing star's ability was such that he sang with emphasis on each word with the accompanying music highlighted each word of poetry.

Interestingly, it was Saigal who paid the debt of gratitude and love by repairing and laying with marble the humble tomb of the poet, near the mazaar of Nizamuddin Aulia in New Delhi. Ghalib had said of his art: kehate hain ki Ghalib ka hai andaaz-e-bayaan aur and it is the andaaz-e-bayaan (way of expressing) of the Saigal-Ghalib twosome that is so enchanting.